شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ

رحیمیہ

لاہور

زیر سرپرستی: حضرت اقدس مولانا **شاہ سعید احمد** رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ مسند نشین سلسلہ عالیہ رحیمیہ رائے پور

مجلس ادارت

صدرِ مجلس: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن

مدیر اعلیٰ: مفتی عبدالخالق آزاد

مدیر: محمد عباس شاد

نومبر **2010**ء / ذی الحجہ، محرم الحرام **1431/1432**ھ **CPL No .59** جلد نمبر **2**، شمارہ نمبر **11** قیمت فی شمارہ: مبلغ **12** روپے سالانہ ممبرشپ: مبلغ **150** روپے

ترتیب عنوانات

درسِ قرآن: تشریح...... حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ 2

درسِ حدیث: تشریح... حضرت مولانا خواجہ عبدالحیٔ فاروقیؒ 2

اداریہ.................................. مدیر اعلیٰ 3

خطبہ جمعۃ المبارک..................... مفتی عبدالخالق آزاد 4

دارالعلوم دیوبند کا انقلابی کردار... مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی 6

عیدالاضحیٰ کے احکام و مسائل............ مفتی عبدالغنی قاسمی 7

رفتارِ کار.............................. عتیق الرحمٰن ایڈووکیٹ 7

احکام و مسائل قربانی.................. مفتی عبدالخالق آزاد 8

مجلس مشاورت

حضرت مولانا مفتی عبدالمتین نعمانی (بورے والا)

حضرت مولانا مفتی عبدالقدیر (چشتیاں)

حضرت مولانا مفتی عبدالغنی قاسمی (لاہور)

حضرت مولانا محمد مختار حسن (نوشہرہ)

حضرت مولانا پروفیسر حسین احمد علوی (چشتیاں)

حضرت مولانا صاحبزادہ رشید احمد (ڈیرہ اسماعیل خاں)

محترم محمد اسلوب قریشی (لاہور)

محترم سید مطلوب علی زیدی (لاہور)

حضرت مولانا مفتی محمد اشرف عاطف (سعودی عرب)

محترم سید اصغر علی شاہ بخاری (پیر جو گوٹھ)

محترم ڈاکٹر لیاقت علی شاہ معصومی (سکھر)

محترم سید سیف الاسلام خالد (راولپنڈی)

محترم ڈاکٹر عبدالرحمٰن راؤ (سرگودھا)

محترم انجینئر آفتاب احمد عباسی (کراچی)

حضرت مولانا قاری تاج افسر (اسلام آباد)

حضرت مولانا محمد ناصر عبدالعزیز (جھنگ)

حضرت مولانا قاضی محمد یوسف (حسن ابدال)

حضرت مولانا عبداللہ عابد سندھی (شکارپور)

ارشادِ گرامی

حضرت اقدس مولانا

شاہ **عبدالقادر** رائے پوری قدس سرہ

مسند نشین ثانی خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

ایک حاجی صاحب، جو کئی بار حج کر کے آئے اور حضرت اقدس رائے پوری کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ:

"لکھنؤ کے ایک رئیس اصطفٰی خان بھی اب کے بارھویں یا تیرھویں دفعہ ہوائی جہاز پر حج کے لیے گئے تھے۔ جانے سے پہلے وہ "منصوری" (شملہ کے قریب ایک شہر) میں مجھ سے بھی ملنے آئے تھے۔ ان سے بھی (میں نے اس وقت) یہ کہا تھا اور (آج بھی) میرا خیال ہے کہ مسلمانوں میں اگر کسی کو دین داری کی جھلک نصیب ہو اور وہ نیک خیال (سمجھے جاتے) ہوں تو وہ بغیر ضرورت مسجد بنانے اور نفلی حج کر لینے کو اختیار کر لیتا ہے۔ ان کے اس عمل کو زیادہ سے زیادہ اس کی دین سے محبت کی دلیل اور مستحب و مستحسن قرار دے سکتے ہیں، لیکن دین کے غلبے کی تبلیغ اور اسی طرح اسلام کے فروغ اور اس کی تقویت کے کام، جو کہ اہم فرائض اور اہم واجبات میں سے ہیں تو ان کی طرف بالکل توجہ اور کوئی پرواہ نہیں کی جاتی۔"

(مجلس: 06 محرم الحرام 1366ھ/ مطابق یکم دسمبر 1946، بمقام: لدھیانہ، انڈیا)

(ارشادات از حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ، ص 122، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ، 25 لوئر مال، لاہور)

شعبہ مطبوعات

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) رجسٹرڈ

مین کیمپس لاہور **رحیمیہ** ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور

092-42-36307714 , 36369089 www.rahimia.org

ریجنل کیمپس کراچی
رحیمیہ ہاؤس 9/A، سینٹر پوائنٹ سوسائٹی، بلاک نمبر 21
راشد منہاس روڈ، فیڈرل بی ایریا، کراچی
0092-21-36321616 , 36320707

ریجنل کیمپس سکھر
فلیٹ نمبر 111، 1st فلور، رائل اپارٹمنٹ
ریس کورس روڈ، سکھر
0092-71-5615185

ریجنل کیمپس ملتان
رحیمیہ ہاؤس 30/A، سٹریٹ نمبر 2، خان کالونی
چونگی نمبر 7، ایل ایم کیو روڈ، ملتان
0092-61-6212021

سالانہ ممبرشپ کی رقم "ناظم دفتر" کے نام ارسال کریں، اپنا پتہ صاف اردو میں اور خوشخط لکھ کر بھیجیں۔ ● پرچہ ہر ماہ کی 3 اور 4 تاریخ کو ارسال کر دیا جاتا ہے۔

رحیمیہ کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جا سکتا ہے۔

انسانی اجتماع

میں عدل اور احساسِ ذمہ داری کی اہمیت

تشریح: امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِى الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْىِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝

ترجمہ: ’’بے شک اللہ تعالیٰ (انسانی اجتماع میں) عدل قائم کرنے، احسانی حالت پیدا کرنے اور قریبیوں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور فحش اور منکر اور بغاوت سے منع کرتا ہے۔ اللہ تمہیں حکم دیتا ہے، تا کہ تم نصیحت حاصل کرو۔‘‘ (90:16)

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور تصنیف ’’غنیۃ الطالبین‘‘ میں ’’تقویٰ‘‘ کی تشریح اس آیت سے کرتے ہیں۔ اس آیت میں اَلْعَدْل سے مراد اجتماعِ انسانی میں مساوات قائم کرنا ہے۔ تا کہ ہر ایک فرد کو زندگی کی ضرورتیں آسانی کے ساتھ حاصل ہوتی رہیں۔ اَلْاِحْسَان سے مراد یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے حکم اس طرح بجالائے گویا اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہے یا کم سے کم اس یقین کے ساتھ بجا لائے کہ وہ ہر لحہ انسان کی نگرانی کر رہا ہے اور ایک دن اس سے جواب طلبی کرے گا۔ وَاِيْتَآئِ ذِى الْقُرْبٰى سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی انسان کو جس سے قریبی تعلق ہے بھوکا نہ سونے دے۔ ننگا نہ رہنے دے۔

وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْىِ ۚ فحشاء، منکر اور بغی و نافرمانی کے تین درجے ہیں۔

پہلے تین اجزاء، عدل، احسان اور ایتاء ذی القربیٰ مثبت ہیں اور آخری تین اجزاء فحشاء، منکر اور بغی منفی ہیں۔ ان سب باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ تقویٰ سے مراد عدل اور احساسِ ذمہ داری کا احساس کرنا ہے۔ پس ’’تقویٰ‘‘ سے مراد عدل اور انسانی اجتماع کے اندر ذمہ داری کا احساس پیدا کرنا ہے۔ جس جماعت کے افراد میں یہ چیز پیدا ہو جائے، وہ ظلم کا ایک ذرہ بھی برداشت نہیں کر سکتی۔ خواہ اپنی طرف سے ہو یا کسی کی طرف سے۔ اور چاہے اس کے اپنے اندر ہو یا کسی اور اجتماع کے اندر۔ اس طرح وہ اللہ کے ڈر سے ظلم سے بچنے اور عدل وانصاف قائم کرنے کی پوری جدوجہد اور کوشش کرتا ہے۔

گویا ’’تقویٰ‘‘ سے مراد یہ ہے کہ مسلمان کے اندر درجِ ذیل صلاحیتیں ہوں:

(الف) انسان کا وہ صحیح وجدان اور شعور ہے، جو ظلم کو پہچان لیتا ہے۔

(ب) اور اس میں پھنسنے سے اس لیے ڈرتا ہے کہ خدا کے سامنے جواب دہی کرنی پڑے گی۔

قرآن کا انقلاب، اجتماعِ انسانی میں یہی تقویٰ کی کیفیت پیدا کرنا چاہتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان، اجتماع میں سے ہر ایک قسم کا ظلم دور کرنے کے لیے اپنا جان و مال سب کچھ قربان کرنے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے عملوں کی جواب دہی کے لیے ہر وقت تیار رہے۔

چناں چہ منافقوں کے مقابلے میں مسلمانوں کے بارے میں ایک دوسری آیت میں کہا گیا ہے کہ: وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰهُمْ تَقْوٰىهُمْ ۝ (47:17) (اور جو لوگ راہ پر آئے، اور انہیں سمجھ سوجھ زیادہ دی۔ اور ان کو تقویٰ اور پرہیزگاری دی۔) یعنی ان منافقوں کے برخلاف وہ مومن ہیں، جو اس قرآنی انقلاب کے پیغام کو خوب سمجھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ یہ تحریک انسانیت کی خدمت کرنے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ انہیں جب اس سلسلے میں کام کرنے کا حکم ملتا ہے تو وہ جھٹ اسے سمجھ لیتے ہیں۔ اور کام پر لگ جاتے ہیں۔ یہ لوگ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ظلم کو پسند نہیں کرتا۔ اور جب ملک میں ظلم غالب آ جائے تو اسے دور کرنے کے لیے یہ لوگ کھڑے ہو جائیں۔ اور عدل وانصاف اور احسان کا نظام قائم کرنے کی جدوجہد اور کوشش کریں۔ چناں چہ وہ اس حقیقت کو پہچان لیتے ہیں کہ یہ بات صحیح ہے۔ وہ اس حقیقت کو بھی جانتے ہیں کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی جماعت کو جنگ کا جو حکم دیا گیا ہے، تو یہ انسانیت میں سے ظلم دور کر کے حق قائم کرنے کے لیے ہے۔ اور حق قائم کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ ایک جماعت میں ذمہ داری کا پورا احساس پیدا کر کے ظلم کو ختم کرنے اور عدل کو قائم کرنے کی جدوجہد اور کوشش کی جائے۔

دینی سمجھ اور شعور

رکھنے والے عالم کا بلند مرتبہ

تشریح: حضرت مولانا خواجہ عبدالحیٔ فاروقی رحمۃ اللہ علیہ

عن ابن عباس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”فقيه واحد أشد على الشياطين من ألف عابد.“ (مشكوة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الثانى)

ترجمہ: ’’ابن عباسؓ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’ایک سمجھ دار عالم شیطانوں پر ہزار عبادت گزار لوگوں سے زیادہ بھاری ہے۔‘‘

حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ ہزار آدمی، جو اپنے اوقات عبادت میں صرف کرتے ہیں، ان سے شیطان اتنا نہیں گھبراتا، جتنا کہ ایک سمجھ دار عالم سے گھبراتا ہے۔ کیوں عبادت کرنے والے فقط ذاتی اصلاح اور ذاتی پاکیزگی میں لگے رہتے ہیں۔ وہ دوسروں سے تقریباً تمام تعلقات توڑ لیتے ہیں۔ ان کے برعکس ایک سمجھ دار عالم لوگوں کو ہر وقت یہی سکھاتا ہے کہ اس کام کو اس طرح کرو۔ یہ طریقہ صحیح ہے۔ وہ غلط ہے۔ یہی وہ بات ہے، جس سے شیطان کے کام میں زبردست خلل واقع ہوتا ہے۔ چوں کہ شیطان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ انسان کا شعور بلند نہ ہونے پائے۔ اور نہ اس کے سکھانے والے دنیا میں موجود رہیں۔ اس حدیث سے ہم دو مفید باتیں سیکھ سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ انسان کا اصل کام یہ ہے کہ سیدھے راستے پر چلنے اور نیک کام کرنے میں ایک دوسرے کی مدد کرے۔ دوسرے یہ کہ مفید علم خود سیکھنا اور دوسرے افرادِ ملت کو سکھانا، افضل عبادت سے کہیں بہتر ہے۔

’’فقیہ‘‘ اس شخص کو کہتے ہیں، جو قرآن وحدیث کا مطالعہ کر کے ان سے عام لوگوں کے لیے موقع پر اور ضرورت کے وقت کسی کام کے کرنے کا صحیح طریقہ مقرر کر دے۔ اور ہر ایک کے سوال کا صحیح جواب دے دے۔ ظاہر بات ہے کہ اس بات کو شیطان پسند نہیں کرتا۔ بلکہ وہ عام لوگوں کو آنکھ بند کر کے ان کی بُری خواہشوں کے مطابق چلانا چاہتا ہے۔ اس لیے وہ ’’عابد‘‘ لوگ، جو فقط اللہ سے دھیان لگائے بیٹھے رہنا کافی سمجھتے ہیں، شیطان کے کام میں کوئی زیادہ رُکاوٹ نہیں پیدا کر سکتے۔ اس کے برخلاف، موقع پر ٹھیک ہدایت کرنے والا اگر ایک بھی ہو تو وہ بہت سے لوگوں کو سمجھا بجھا کر ٹھیک راستے پر چلا سکتا ہے۔

شیطان ہزار عابدوں سے اتنا نہیں گھبراتا، جتنا اس ایک فقیہ (دینی سمجھ بوجھ رکھنے والے) سے گھبراتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر حدیثوں میں نفل عبادت میں مشغول رہنے سے، مفید علم سیکھنے اور سکھانے والے کو زیادہ کارآمد اور مفید بتایا گیا ہے۔ کیوں کہ اس سے دوسروں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ اور نفلی عبادت میں فقط اپنا بھلا ہے۔

اس حدیث سے یہ مطلب نہ نکال لیا جائے کہ نفل عبادات ضروری اور مفید نہیں ہیں۔ بلکہ حدیث پاک کا منشا یہ ہے کہ ذاتی نفل عبادتوں کے ساتھ ساتھ اجتماعی فائدے کے کاموں کی طرف بھی توجہ دینی چاہیے۔ خصوصاً علم دین حاصل کرنے اور علم دین دوسروں تک پہنچانے میں زیادہ وقت لگانا چاہیے۔ خواہ اس سے نفلی عبادت رہ جائے۔ تا کہ دینی فہم وشعور کے ذریعے سے سوسائٹی کے مسائل کو سمجھا جائے۔ اور ان کے حل کرنے کا صحیح طریقۂ کار اور حکمتِ عملی بیان کی جائے۔ اور گردوپیش میں موجود شیطانی مکروفریب اور اس کی سازشوں کو سمجھ کر اس کا مقابلہ کیا جائے۔ ایسی رسمی نفلی عبادت، جو شیطانی نظام کے خلاف شعور بہم نہ پہنچاتی ہو اور اس کے خاتمے کی جدوجہد اور کوشش کا طریقہ نہ سکھاتی ہو، درست نہیں۔ بلکہ اصل عبادت وہی ہے، جس میں اللہ کے نظام کو دنیا میں غالب کرنے کی جرأت اور ہمت، صلاحیت واستعداد پیدا ہو۔ اور یوں اللہ کی بندگی کرتے ہوئے دین کے غلبے کا عملی نظام قائم کرنے کے لیے اپنی تمام تر قوتوں کو بروئے کار لائے۔ یہ حدیث ایسے سمجھ دار عالم کی رہنمائی میں کام کرنے کی اہمیت بھی اُجاگر کرتی ہے۔ اور اس بات کو بھی آشکارا کرتی ہے کہ انفرادی عبادت میں مشغول ہونے والوں کے بجائے ایسے فقیہ اور سمجھ دار عالم کو اپنا رہنما بنانا چاہیے۔

ادار یہ

حج دینی تعلیمات کے عالمی نظام کا اہم رُکن

ذی الحجہ کا ماہِ مبارک دین اسلام میں اپنی ایک منفرد عظمت رکھتا ہے۔اس ماہِ مبارک میں عالمی سطح پر حج کے حوالے سے مسلمانوں کا عظیم اجتماع ایسی پُرعظمت عبادت کے طور پر منعقد ہوتا ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کی کبریائی، اس کے قائم کردہ کائنات گیر نظام کی عظمت واہمیت اور اس کی حمد وثنا کے ترانے بھی بلند کیے جاتے ہیں،اور انسانیت کے لیے امن، بھائی چارہ، باہمی محبت اور تعاون الفت کے عالمی مظاہرے کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے۔یوں یہ عظیم اجتماع خدا پرستی اور انسان دوستی کا عالم گیر اظہار ہوتا ہے۔اور ان روایات واقدار کا عملی مظاہرہ کیا جاتا ہے، جس کی ابتدا امامِ انسانیت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دین حنیفیت کی شکل میں کی تھی۔اور جسے "ملة إبراهيمية حنيفيه" کے عنوان سے یاد کیا جاتا ہے۔اور جس کی تکمیل سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عظیم الشان جدوجہد کے ذریعے کی تھی۔اور جسے آج دین اسلام کی جامع تعلیمات اور اس کے عملی نظام کے طور پر جانا جاتا ہے۔

دراصل دین اسلام کی تمام تعلیمات ایک مربوط نظام کی حیثیت رکھتی ہیں۔فرد کی شخصی تعمیر وتربیت سے لے کر قومی اور عالمی نظامِ زندگی تک دین اسلام اپنی بنیادی اقدار واَخلاقیات کو عملی طور پر قائم کرنے کا ایک مکمل نظام رکھتا ہے۔دین اسلام عام مذاہب کی طرح محض وعظ ونصیحت اور چند رسومات کی ادائیگی تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ وہ ایک "دین" ہے۔اور نظامِ زندگی کی حیثیت رکھتا ہے۔جس کے تمام اُمور باہم مربوط،اور اس کا طریقۂ کار ایک عملی نظام کا تقاضا کرتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ یہ اپنی طے کردہ اقدار واَخلاق اور اَفکار ونظریات کو عمل میں لانے کے لیے محلے کی ایک چھوٹی مسجد سے لے کر عالمی مرکز "مسجد الحرام" تک ایک مربوط نظام قائم کرتا ہے۔اور اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ مسلمان جماعت اس نظامِ زندگی کو بڑی اولوالعزمی کے ساتھ قائم کرنے کی جدوجہد اور کوشش کرے۔اور اگر اس کے راستے میں کوئی بھی عالمی طاقت یا نظام آئے تو اس کی مزاحمت اور اس کا مقابلہ کرے۔اور خدا پرستی اور انسان دوستی پر دین اسلام کے نظام کو قائم کرنے کے لیے تن من دھن کی قربانی سے بھی دریغ نہ کرے۔

دین اسلام عالمی نظام کی تشکیل کے لیے چند بنیادی اقدار وروایات طے کرتا ہے۔جس کا تذکرہ نہ صرف گزشتہ انبیاؑ کی تعلیمات میں ملتا ہے، بلکہ قرآن حکیم نے اسے کئی مقامات پر بیان کیا ہے۔(دیکھیے سورہ انعام، بنی اسرائیل، سورہ معارج وغیرہ) ان تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن حکیم انسانی سوسائٹی کی تعمیر وتشکیل کے لیے درجِ ذیل بنیادی عقائد اور اقدار (Values) کا تعین کرتا ہے: (1) خدا پرستی: اللہ کی عظمت و بڑائی کا اقرار، اعلان اور دلی تصدیق ایسے طور پر کرنا کہ اس کے ساتھ کسی بھی طاقت وقوت کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔گویا وقت کے ہر فرعون ونمرود اور طاغوت وسرکش کی خدائی کا انکار کرنا اور اللہ وحدہٗ لاشریک کی وحدانیتِ خالصہ کا پختہ ایمان ویقین اور اذعان رکھنا۔(2) انسان دوستی: حقوقِ انسانیت ادا کرنا۔ چناں چہ والدین کے حقوق ادا کرنا۔ اولاد کے حقوق پورے کرنا۔ناحق قتل انسانیت کے ارتکاب سے بچنا۔معاشرے کے پسے ہوئے طبقات، یتیم و مسکین کے حقوق ادا کرنا۔خرید وفروخت، لین دین میں عدل وانصاف سے کام لینا۔تکبر وغرور اور بالادست طبقاتی ماحول سے بچنا۔انسانی عزتِ نفس کو پامال نہ کرنا، وغیرہ۔یعنی ہر وہ کام، جو کسی انسانی جان کے قتل، اس کی بے حرمتی اور بداعتمادی کا باعث ہو یا اس کی محنت ومشقت سے کمائے ہوئے مال کی لوٹ کھسوٹ پر مبنی ہو، ناجائز اور باطل قرار دیا گیا۔اور ہر وہ کام، جو انسانی جان کی عزت واحترام، حقوق کی ادائیگی اور اس کی محنت ومشقت سے کمائے ہوئے مال کی حفاظت اور حرمت پر مبنی ہو، اُسے دینی تعلیمات میں لازمی قرار دے دیا گیا۔

ان بنیادی اقدار وروایات پر انسانی سوسائٹی کا نظام قائم کرنے کے لیے محلّہ، خاندان، شہر، ملک وقوم اور بین الاقوامی سطح پر نہ صرف مساجد اور مراکز کا نظام قائم کیا گیا، بلکہ ان مراکز کے لیے تربیت یافتہ مسلمان جماعت کے نظم وضبط اور ڈسپلن کے امور واضح کردیے گئے۔تاکہ ہر سطح پر ایک ایسا عملی نظام قائم ہو، جو مذکورہ بالا روایات و اقدار کو بروئے عمل لانے کے لیے پوری پوری جدوجہد اور کوشش کرے۔چناں چہ محلے کے سطح پر مسجد کا قیام دراصل خدا پرستی کے ساتھ انسانی کمیونٹی کے مسائل حل کرنے کا بھی نظام ہے۔فقہ اسلامی کی کتابوں میں "امام الحی" محلے اور قبیلے کے امام اور رہنما کے جو فرائض اور ذمہ داریاں بیان کی گئی ہیں، وہ ان مذکورہ روایات واقدار کی عملی شکل ہیں۔چناں چہ محلے کی سطح پر پیدا ہونے والے مسائل کے حل کی انتظامی صلاحیتوں کا حامل خدا خوفی رکھنے والا فرد "امام" ہو۔جو نہ صرف پانچ وقت محلے کے اجتماع کو ساتھ لے کر اللہ کی بارگاہ میں سربسجود ہو اور اس کی بڑائی کا اعلان کرکے ہر ظالم وطاغوت کا انکار کرے، بلکہ آگے بڑھ کر اس محلے میں موجود مسکین اور پس ماندہ لوگوں کے حقوق کی ادائیگی کا ایسا اجتماعی طریقۂ کار وضع کرے کہ ان کی عزتِ نفس پر حرف بھی نہ آئے۔اور انھیں معاشی رزق میں سے پورا حصہ ملے۔گویا محلے کی سطح پر مسجد کا اجتماعی کردار سوسائٹی کی معاشی بھوک مٹانے اور امن وامان قائم کرنے والا ہو۔اس نظام کی دوسری سطح بہت سے محلوں پر مشتمل ایک شہر میں ایک "جامع مسجد" کا قیام ہے۔جس میں ایک ہفتے کے بعد جمعے کے روز محلوں کی تمام مساجد بند ہوں۔اور تمام لوگ نمازِ جمعہ کے لیے مرکزی مقام "جامع مسجد" میں جمع ہوں۔ جہاں شہر کا حکمران خطبہ دے۔اور جمعے کی نماز پڑھائے۔ان خطبوں میں اللہ کی حمد وثنا اور اس کی بڑائی کے اعلان کے ساتھ انسانی معاشرے میں عدل وانصاف قائم رکھنے کی اہمیت واضح کرے۔اور اس حوالے سے گزشتہ ہفتے کی کاروائی بیان کرے۔اور آئندہ ہفتے کے لیے عملی اقدامات کا اعلان کرے۔اور عوام بھی اپنے شہری حکمران کے عملی اقدامات پر نگاہ رکھتے ہوئے حاکم وقت سے پوچھ گچھ کرسکیں۔یوں "عمرانی معاہدہ" کی تکمیل کے لیے علی الاعلان حکمرانوں کے نہ صرف احتساب کا عمل ہو، بلکہ عوام الناس کا اجتماع اپنے حکمرانوں پر اعتماد کا اظہار بھی کرے۔اسی طرح کے اجتماعات کسی ملک کے ایک چھوٹے شہر سے لے کر بڑے شہروں، حتیٰ کہ دار الخلافہ تک میں منعقد کیے جائیں۔تاکہ ہفتہ وارانہ بنیادوں پر خدا پرستی اور انسان دوستی کی بنیادی اقدار پر عمل ہوتا رہے۔

دین اسلام کے عالم گیر نظام کی اعلیٰ ترین سطح حج کا عظیم اجتماع ہے۔جس میں تمام مسلم ممالک کے صاحب استطاعت لوگ اور منتخب افراد مکۃ المکرّمہ میں جمع ہوں۔اور مسجد حرام اور اس کے گردونواح کے شعائرِ خداوندی کے سائے میں اللہ کی بڑائی اور عظمت کا اعلان کرتے ہوئے ہر طرح کے کفر وشرک اور ظلم وطغیان سے برأت کا اعلان کریں۔اور انسانی زندگی میں ہر طرح کی بداَمنی اور خوف کو ختم کرکے امن وامان قائم کرنے اور اقتصادی بدحالی کو دور کرکے معاشی خوش حالی پیدا کرنے کے عملی اقدامات کا مظاہرہ کریں۔اور اس ارشادِ خداوندی کو سامنے رکھیں: فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَٰذَا الْبَيْتِ ۝ الَّذِي أَطْعَمَهُم مِّن جُوعٍ وَآمَنَهُم مِّنْ خَوْفٍ ۝ (106:3-4) گویا بیت اللہ کے ربّ کی عبادت کرتے ہوئے اس کی مخلوق کی بھوک مٹانے اور خوف ختم کرکے امن ومعاشی خوش حالی پیدا کرنے کا عزم اور ارادہ کریں۔ بلکہ عالمی سطح پر ایسے فیصلے اور عملی اقدامات تجویز کریں، جس سے دنیا بھر میں انسانیت کے مسائل حل ہوں۔اور وہ ترقی کی منازل طے کرے۔ چناں چہ عملی اقدامات کرتے ہوئے تمام حاجیوں پر لازمی قرار دیا کہ وہ اپنے قومی امتیازات پر مبنی لباسوں کو اُتار کر امن کی علامت پر مبنی عالمی لباس دو سفید چادروں کی شکل میں پہنیں۔اور سب ایک ہی ہیئت اور وضع قطع کے ساتھ پُرامن طریقے سے "لبّیک، **اللّٰھمّ لبّیک، لاشریک لک لبّیک، إن الحمد و النّعمة لک و المُلک لاشریک لک**" کہتے ہوئے اس کی حمد وثنا اور اس کے احکامات کی بجاآوری کا اعلان کریں۔

اس دوران آپس میں نہ تو جھگڑیں۔نہ گالی گلوچ کریں۔نہ بداَمنی کا اِرتکاب کریں۔اتنے پُرامن ہوں کہ حرم کے جانور، حتیٰ کہ وہاں کی گھاس پھونس بھی ان کی دست برد سے محفوظ ہو۔اس سے بڑھ کر ڈسپلن اور نظم وضبط کا مظاہرہ اور کیا ہوگا۔اس طرح حج دین اسلام کی تعلیمات کے عالمی نظام کے ایک اہم رکن کے طور پر سامنے آتا ہے۔

بڑی بدقسمتی ہے کہ مسلمانوں کے غلامی کے دور میں دین اسلام کی تعلیمات کا عملی نظام عالمی طاقتوں کے جبری تسلط کی وجہ سے ختم ہوچکا ہے۔گزشتہ دواڑھائی سو سال سے عالمِ اسلام پر سرمایہ دارانہ اور طاغوتی نظام مسلط ہے۔اس کی وجہ سے کل انسانیت بداَمنی، بھوک اور افلاس میں مبتلا ہے۔افسوس اس بات پر ہے کہ مسلمان اپنے غلبے کے اس قومی اور عالمی نظام کی اہمیت اور افادیت سے غافل ہوگیا۔اور جبر واستحصال اور غلامی کے دور میں مجبوری کی بنا پر بننے والے مساجد کے ناقص نظام پر قناعت کیے ہوئے بیٹھا ہے۔اور دین اسلام کے غلبے کے کل نظام کے قیام کے لیے نہ اس میں شعور ہے اور نہ اس کے لیے کوئی جدوجہد ہے۔آج اس کی حالت یہ ہے کہ: ع رہ گئی رسمِ اذان ، روحِ بلالی نہ رہی

آج بڑی ضرورت ہے کہ مسلمان انسانی سوسائٹی کی تشکیل کے لیے دین اسلام کی بنیادی اقدار اور اَخلاق سے آگہی حاصل کرے۔اور دینی شعور کی اساس پر اس کا عملی نظام غالب کرنے کی فکر اپنے اندر پیدا کرے۔اور سامراجی وطاغوتی نظام کی مزاحمت کرے۔اور اس کی جگہ پر انسانیت کے مسائل حل کرنے کے لیے خدائے واحد کے دیے ہوئے نظامِ زندگی کو غالب کرنے کی انقلابی جدوجہد اپنائے۔ یقیناً دینی شعور سے آگہی، اور بلند ہمتی کے ساتھ اس کے غلبے کی جدوجہد دنیا وآخرت میں کام یابی کا ذریعہ ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں ہمت وشعور سے نوازے۔اور عمل کی توفیق عطائے فرمائے۔

مدیر اعلیٰ

خطبہ جمعۃ المبارک

عدل وانصاف کے انقلاب کی اہمیت

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا مفتی عبدالخالق آزاد صاحب

(مؤرخہ 11 ستمبر 2009ء، بمقام ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ، لاہور) ضبط وتحریر: مولانا محمد جمیل

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم، امّا بعد: قال اللہ تعالیٰ: لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (25:57) صدق اللہ العظیم.

معزز دوستو! دین اسلام کی سچی تعلیمات مسلمان کی تعلیم وتربیت کے لیے ہیں۔ اوران کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعے سے مسلمان جماعت کا نظریہ درست ہو۔ اوراس نظریے پر عمل کرنے کا درست طریقۂ کار اِن کے سامنے آئے۔ اورانسانیت کی کام یابی کا درست اندازان کے سامنے واضح ہو۔ اور یہ جماعت پوری انسانیت کی کام یابی اور ترقی کے لیے فعال کردار ادا کرے۔ کتابِ مقدس قرآن حکیم کا پروگرام بنیادی طور پرانسانیت کو کام یاب بنانا ہے۔ اور یہ بات طے شدہ ہے کہ انسانیت کی ترقی کے لیے ایک تربیت یافتہ جماعت کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ جماعت تیار کرنا بھی قرآن حکیم کی تعلیم کا ہدف اور مقصد ہے۔ مسلمان ایک فرقہ یا گروہ نہیں ہے۔ بلکہ ایک جماعت ہے جو کہ اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لیے پہلے خود تربیت حاصل کرتی ہے۔ اپنے اندر اعلیٰ درجے کی مہارت اور صلاحیت پیدا کرتی ہے۔ اور پھر انسانی معاشرے میں مفید اور مثبت نتائج حاصل کرنے کے لیے ایک منظّم کوشش کرتی ہے۔ دین اسلام کی تمام عبادات اور اعمال کا بنیادی اور پہلا مقصد ہمارے اَخلاق اور رویوں کو درست کرنا ہے۔ کمیوں اور کوتاہیوں کو دور کرنا ہے۔ اور وہ اعلیٰ صلاحیت پیدا کرنا مقصد ہے، جس کے نتیجے میں ہم انسانیت کے لیے ایک مفید اور بہترین نظام قائم کرسکیں۔

رمضان المبارک کا مہینہ اس حوالے سے بہت اہمیت کا حامل ہے کہ اس ماہِ مبارک میں کیے جانے والے تمام اعمال ہماری تعلیم وتربیت اور ہمارے اندر صلاحیت پیدا کرنے کے حوالے سے انتہائی اکسیر ہیں۔ رمضان المبارک کے یہ تجلیات وانوارات سے بھرپور لمحات ہمیں اس بات پر مجبور کرتے ہیں کہ ہم اپنے دل ودماغ سے قرآن حکیم کے اصل پیغام کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ اوراس کا شعور حاصل کریں۔ اوراس کی فہم وبصیرت اپنے اندر پیدا کریں۔ اوراس کے مطابق جدوجہد اور کوشش کریں۔ خود حضورؐ کا یہ معمول تھا کہ رمضان المبارک میں قرآن حکیم باربار پڑھتے تھے۔ بلکہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اس ماہِ مبارک میں آکر حضورؐ کے ساتھ دور کیا کرتے تھے۔ ایک دوسرے کو کتابِ مقدس سنانے کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ قرآن حکیم کے پیغام کو پورے رسوخ کے ساتھ دل ودماغ میں جذب کیا جائے۔ اس کے معانی اور مفاہیم کو سمجھا جائے۔ اس میں موجود جو پیغامِ ہدایت ہے، اس میں غوروفکر اور تدبر کیا جائے اور جو ہدایات دی گئی ہیں، ان کو عمل میں لانے کی حکمتِ عملی طے کی جائے۔

اصل میں بات یہ ہے کہ قرآن حکیم کوئی رسمی کتاب نہیں ہے کہ ایک دفعہ پڑھ لی جائے یا مطالعہ کرلیا جائے اوراس کے ذریعے سے محض ذہنی آسودگی حاصل کی جائے یا محض رسمی طور پر خاص قسم کی وجدانی کیفیت پیدا ہوجائے۔ یہ بات درست نہیں ہے۔ یہ کتابِ مقدس، انسانیت کے نام ایک پیغامِ ہدایت ہے۔ اس پیغام کو حقیقی انداز میں جاننا کہ یہ ہمیں کیا حکم دیتا ہے؟ ہماری سوسائٹی کی تشکیل کے لیے کیا رہنمائی دے رہا ہے؟ اور ہمارے معاشرے کے مسائل کو حل کرنے کا طریقۂ کار کیا بیان کررہا ہے؟ اور پھر اس پیغامِ ہدایت کے تمام احکامات کو عمل میں لانے کا طریقۂ کار کیا ہوگا؟ محض معلومات حاصل کرلینا کافی نہیں۔ کیوں کہ کسی حکم کا معلوم کرلینا کافی نہیں ہوتا، بلکہ اس حکم کے مطابق عمل کرنا ضروری ہوتا ہے۔ آج ہماری غفلت سے جو کوتاہی پیدا ہورہی ہے، وہ یہ کہ ہمیں قرآن حکیم کا بھرپور شعور نہیں ہے۔ اس سے مکمل آگاہی نہیں ہے۔ غلامی کے دور میں ہمارے ذہنوں میں یہ تصورات پیدا کردیے گئے کہ قرآن حکیم کی محض رسمی تلاوت کرکے ثواب حاصل کرلیا جائے۔ حال آں کہ رسمی طور پر صرف ثواب حاصل کرنے کا تصور ہمارے غلبے کے دور میں کبھی بھی نہیں رہا۔ قرآن حکیم کے ثواب کا مطلب دراصل یہ تھا کہ جب ہم نے قرآن حکیم کا مفہوم سمجھ لیا تو اس کے مطابق عمل کرنے کے لیے جدوجہد اور کوشش کرنے میں مصروف ہوگئے۔ اب اس عمل کے جو نتائج ظاہر ہوں گے، وہ درحقیقت ہمارا بدلہ یا ثواب ہے۔ لیکن اگر عمل کچھ نہ کیا جائے صرف رسمی اور بے روح تلاوت کرنے کو کافی خیال کیا جائے تو نتیجہ درست ظاہر نہ ہوگا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ آخر زمانے میں لوگ قرآن پڑھیں گے۔ اور عمدہ اتنا پڑھیں گے کہ سننے والے لوگ وجد میں آجائیں گے۔ لیکن وہ قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اُترے گا۔ قرآن کے اثرات ونتائج پڑھنے اور سننے والوں کے جسم اور ذہن پر نہیں ہوں گے، بلکہ حدیث پاک میں تو آتا ہے کہ پڑھنے والوں کی زبان میٹھے شہد کی طرح ہوگی۔ بات چیت عمدہ ترین کریں گے، لیکن ان کے دل بھیڑیوں جیسے ہوں گے۔ وہ انسانیت کے دشمن ہوں گے۔ اور انسانیت کی تباہی اور بربادی کا طریقۂ کار سوچیں گے۔ زبان کا میٹھا پن اس لیے ظاہر کریں گے تا کہ اس کے ذریعے سے لوگوں کو بے وقوف بنا کر اپنے مفادات کے لیے استعمال کرسکیں۔ اس لیے قرآن حکیم کا محض رسمی طور پر پڑھ لینا کافی نہیں، جب تک کہ اس کے معانی پر غوروفکر نہ کیا جائے۔

رمضان المبارک کی تراویح میں جو قرآن حکیم پڑھا جاتا ہے تو کیا یہ کوئی رسم ہے؟ ہرگز نہیں۔ آج حال یہ ہے کہ پڑھنے اور سننے والوں کو قرآن حکیم کے معانی اور مقاصد کا علم نہیں ہوتا۔ کیوں کہ قلب اس حوالے سے حاضر نہیں ہے۔ قرآن حکیم کو باقی دیگر کتابوں کی طرح محض ایک رسمی کتاب خیال کرنا بالکل درست نہیں، بلکہ قرآن حکیم ایک اعلیٰ تقدس والی کتاب ہے۔ اور دنیا میں جو چیز بھی تقدس رکھتی ہو، اس کے کچھ اہداف ومقاصد ہوتے ہیں۔ جب تک وہ اہداف پورے نہ کیے جائیں تو یہ گویا کہ اس کی توہین ہے۔ اور قرآن حکیم اپنی توہین برداشت نہیں کرتا۔ کیوں کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ قرآن اس آدمی کے دل میں محفوظ رہے گا جو قرآن کو اپنا سب کچھ دے گا، یہ تو نہیں ہوگا کہ تم قرآن کو اپنی زندگی کا ذراسا حصہ دو اور توقع رکھو کہ سارے قرآن کا ثواب تمہارے پاس آجائے۔

قرآن حکیم کو جب توجہ اور عقل وشعور کے ساتھ پڑھا اور سمجھا جاتا ہے تو اس کے اثرات انسان پر مرتب ہوتے ہیں۔ رمضان المبارک میں قرآن حکیم کو تراویح میں پڑھنے کا مقصد یہ بھی ہے کہ اپنی توجہ کو اللہ تعالیٰ کے حضور متوجہ کیا جائے۔ قرآن حکیم کے احکامات میں غوروفکر اور عقل وشعور کا استعمال کیا جائے۔ اسی لیے قرآن حکیم نے جابجا عقل وشعور اور تدبر کی بات کی ہے۔ رمضان کا خاص مہینہ جس میں یہ نازل ہوا اور وہ بھی اس بات کی توجہ دلاتا ہے کہ جو انسان بھی غوروفکر اور عقل وشعور سے کام لے گا تو ضرور اس کتابِ مقدس سے فائدہ اُٹھائے گا۔ اگر اس رمضان المبارک میں ہم قرآن کے پیغام کو نہ سمجھیں تو یہ بڑی خسارے کی بات ہوگی۔ آپ دیکھیں کہ ایک ڈاکٹر، جس نے میڈیکل سائنس پڑھی اور وہ اپنے شعبے سے متعلقہ کتابوں کو طوطے کی طرح صرف رَٹ لے، لیکن وہ اس کو سمجھنے کی کوشش نہ کرے کہ اس میں قوانین کیا بیان کیے گئے ہیں۔ انسانی جسم کی ساخت کیا بیان کی گئی۔ اس کے امراض کیا ہیں وغیرہ وغیرہ۔ تو وہ ڈاکٹر کیا نتیجہ پیدا کرے گا۔ ایسا ڈاکٹر خواہ بیس سال تک بھی اگر میڈیکل کی ساری کتابوں کی ریڈنگ کرلے لیکن اگر وہ اپنے علم کی ہدایات پر عمل نہیں کرنا چاہتا تو وہ دوسروں کے امراض کا کیا علاج کرسکے گا۔

اب یہ بات سمجھنا کہ قرآن حکیم کے اہداف ومقاصد کیا ہیں۔ بڑی اہمیت کی حامل بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ قرآن کیوں نازل فرمایا؟ انبیاؑ کا سلسلہ کیوں قائم فرمایا۔ اس ماہ میں ان باتوں پر غوروفکر کرنے کی ضرورت ہے۔ خود قرآن میں بیان فرمایا گیا کہ ہم نے اپنے رسولوں کو مبعوث کیا اوران کو کتابیں دیں تا کہ ان کتابوں کے ذریعے سے کل انسانیت عدل پر قائم ہوجائے۔ کوئی خاص فرقہ یا گروہ اس سے مراد نہیں ہے۔ کل انسانیت کا عدل پر قائم ہوجانے کا مطلب سمجھنے کی ضرورت ہے۔

انبیاؑ اصل میں دنیا میں انسانیت کو عدل وانصاف پر قائم کرنے آتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ کہ عالمی سطح پر عدل وانصاف کا ایک نظام تشکیل دینا، جس میں بغیر رنگ، نسل اور مذہب کے تمام انسانیت کے

لیے عدل موجود ہو۔ محض انسانوں کا عقیدہ تبدیل کر دینا مقصد نہیں ہے۔ قرآن میں فرمایا گیا کہ غلبۂ دین کا عالمی نظام قائم کرنا حضورؐ کی بعثت کا مقصد تھا۔ خواہ عقیدے کے اعتبار سے اکثر غیر مسلم ہوں۔ ان تمام کے لیے سیاسی اور معاشی حقوق عدل کی بنیاد پر قائم کرنا مسلمان جماعت کی ذمہ داری ہے۔ ظالمانہ نظام انسانی معاشرے میں قابل برداشت نہیں۔ بلکہ اس ظالمانہ نظام کو توڑا جائے گا۔

مسلمانوں نے ظلم کے نظام کو ختم کرنے اور عدل کو قائم کرنے کے لیے ہمیشہ جدو جہد اور کوشش کی ہے۔ اور یہ مقصد اور ہدف حضورؐ اور آپ کی جماعت نے کام یابی کے ساتھ حاصل کیا۔ حضورؐ نے اس مقصد کے حصول کے لیے باصلاحیت افراد پر مشتمل ایک جماعت تیار کی۔ جس میں حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علیؓ، حضرت امیر معاویہؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ ہیں۔ جو کہ نہ بکنے والے اور نہ ڈرنے والے ہیں۔ بلکہ اپنے آپ کو انسانیت کی خدمت کے لیے وقف کرنے والے ہیں۔ انسانیت کے لیے قربانی دینے میں انبیاؑ کے نقش قدم پر چلنے والے لوگ ہیں۔ اور یہ اپنی خاندانی، ذاتی اور انفرادی شناخت سے بالاتر ہو کر پوری انسانیت کے مفاد کے لیے کام کرنے کی صلاحیت کے حامل لوگ تھے۔ انھوں نے ایسی جماعت تیار فرمائی اور پھر اس جماعت نے عملی اقدامات کرتے ہوئے مکہ فتح کر کے عرب کے علاقے پر غلبۂ دین مکمل فرمایا۔

اور پھر قیصر و کسریٰ کو شکست دے کر عالمی سطح کا عدل و انصاف کا نظام قائم کیا۔ حال آں کہ یہ ہزاروں سالوں سے بادشاہتیں قائم تھیں۔ جہاں پر ان کے سیاسی، معاشی اور سماجی ادارے تھے۔ ان ظالمانہ اداروں کو توڑ کر عادلانہ ادارے تشکیل دیے۔ حضورؐ اور آپؐ کی جماعت نے یہ پختہ عزم کیا کہ ان کے ظالمانہ نظاموں کو توڑ کر عدل و انصاف کا نظام قائم کرنا ہے۔ اور وہ نظام پوری انسانیت کے فائدے کے لیے ہوگا۔ آپ اندازہ لگائیں کہ حضورؐ کی تیار کردہ جماعت صحابہ کرامؓ نے قیصر و کسریٰ کی سیاست، معیشت اور عدالتی نظام تبدیل کر کے رکھ دیا۔ گویا کہ جماعتِ صحابہ دنیا میں انقلاب برپا کرنے کے لیے آئی ہے۔

> دین اسلام کی تمام عبادات اور اعمال کا بنیادی اور پہلا مقصد ہمارے اَخلاق اور رویوں کو درست کرنا ہے۔ کمیوں اور کوتاہیوں کو دور کرنا ہے۔ اور وہ اعلیٰ صلاحیت پیدا کرنا مقصد ہے، جس کے نتیجے میں ہم انسانیت کے لیے ایک مفید اور بہترین نظام قائم کر سکیں۔

ایک اور خرابی اور کمزوری زوال کے دور میں ہمارے دماغوں میں پیدا کر دی گئی کہ دین تو لوگوں کی اصلاح کرنے کے لیے آیا ہے۔ یعنی ہر آدمی اپنے جسم پر اسلام نافذ کر لے اور کچھ رسمی اعمال کر لے اور تدریجاً چند اچھے اَخلاق کا اظہار کر لے تو بس کام یابی مل جائے گی۔ اور اس اصلاحی دائرے میں سیاست، معیشت اور معاشرے میں تبدیلی کے عمل کو شامل نہیں کیا جاتا۔ اسے ہر آدمی کا انفرادی معاملہ قرار دے کر دین کو محدود کر دیا جاتا ہے۔ اس سوچ کا فائدہ سب سے پہلے انگریز سامراج اور حکمران طبقے نے حاصل کیا۔ کیوں کہ اس طبقے نے دیکھا کہ وہ جماعت، جس نے ایک ہزار سال تک دنیا پر غلبہ حاصل کیا ہو، اس کو غلبے سے دور رکھنے کے لیے یہ کہا جائے کہ ''دین میں سیاست نہیں ہے۔ وہ تو دنیاداری ہے۔'' یہ بات ایک عالم دین اور ایک گریجویٹ بھی یکساں طور پر کہتا ہے۔ لہٰذا جب بھی سیاست، معیشت اور معاشرتی حوالے سے بات چیت کی جاتی ہے تو فوراً کہتا ہے کہ اس کا دین سے کیا تعلق؟ یہ تو دنیا داری ہے۔ تو گویا کہ ہمارے دین کے نظریے میں اصلاحی تصور پیدا کر دیا گیا۔ اور وہ اصلاحی تصور بھی بڑا محدود دائرے کا۔

یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہیے کہ قرآن حکیم کا بنیادی پیغام انقلاب کا ہے۔ معاشرے کو تبدیل کرنے کا ہے۔ اور اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس قرآنی نظریے کی اساس پر پہلی تیار شدہ جماعت صحابہؓ پر قرآن کی تعلیم کا اثر اور نتیجہ کیا ظاہر ہوا۔ صحابہ کرامؓ اور حضورؐ اگر انفرادی طور پر نیک بنیں۔ عبادت ادا کریں تو کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اگر صحابہ کرامؓ کے ہاں بھی اصلاح کا نظریہ ہوتا تو پھر مشرکین مکہ کے بتائے ہوئے نظام کو قبول کرتے ذاتی طور پر اپنے آپ کو نیک بنانے میں مصروف ہو جاتے، لیکن صحابہ کرامؓ نے دین اور قرآن کو اجتماعی انداز میں سمجھا۔ کہ خود اپنا نظریہ درست کر کے مکے کی نوجوان نسل تک اس کو منتقل کیا جائے۔ اور مکہ کی کافر اور ظالم طاقت کے خلاف اجتماعیت پیدا کی جائے۔ کیوں کہ صرف اچھے کو اچھا اور برے کو برا سمجھ لینا تو کافی نہیں ہوتا۔ بلکہ اچھی چیز کو غالب کرنا اور بری چیز کو مٹانا بھی ضروری ہوتا ہے۔

آپ دیکھیں کہ قرآن کی پہلی سورت میں بیان کیا کہ كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ (15:96) اگر یہ ظالم اپنے ظلم سے باز نہ آئے تو اس کی پیشانی پکڑ کر گھسیٹو۔ یہ انقلاب کی دعوت نہیں تو اور کیا ہے۔ تو گویا کہ قرآن حکیم کا بنیادی نظریہ انقلاب اور تبدیلی کا ہے۔ حضورؐ اور آپ کی جماعت صحابہ کرامؓ نے پہلے مدینے میں پھر مکے میں تبدیلی پیدا کی اور اس کے ذریعے پورے حجاز میں تبدیلی کا راستہ سامنے آتا ہے۔ اور پھر یہ تبدیلی بین الاقوامی تبدیلی کا ذریعہ ثابت ہوتی ہے۔ وہ بیت المقدس، جس پر عیسائی حکومت کا قبضہ تھا۔ کسی یہودی کو اس میں داخلے کی اجازت نہیں تھی۔ لیکن جب حضرت عمرؓ نے اس کو ظالمانہ طاقتوں سے آزاد کرایا تو اس کو کھلا شہر قرار دے دیا۔ عیسائی حکومت نے شرط لگائی کہ بیت المقدس آپ کے سپرد کرتے ہیں۔ اگر آپ یہودیوں پر پابندی لگائیں کہ وہ داخل نہ ہو سکیں۔ لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ تو نہیں ہو سکتا، بلکہ مسلمان جس شہر کو فتح کریں گے، اس میں دنیا کے تمام لوگ آ سکتے ہیں۔ کوئی مؤرخ اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ حضورؐ نے اپنی انقلابی حکمتِ عملی کے ذریعے سے سابقہ سیاست، معیشت اور سماجی نظام کو تبدیل کر کے اس کی جگہ عالمی سطح کا عدل و انصاف کا نظام قائم کیا۔ غیر مسلم مؤرخین بھی اس بات کا اعتراف کرتے ہیں۔ تو گویا کہ قرآن حکیم کا بنیادی نظریہ ہمہ گیر تبدیلی پیدا کرنے کا ہے۔ اور مسلمان جماعت جس کے پیش نظر عالمی سطح کا عدل و انصاف پر مبنی نظام قائم کرنا تھا، وہ آج کمزور بن کر یہ اعلان کرے کہ اس کا کام صرف وعظ کہنا ہے! نیکیوں کی صرف تقریر کرنی ہے!

یاد رکھیں! جب قومیں زوال کا شکار ہوں۔ پستی کا شکار ہوں تو اس وقت اصلاح کارگر نہیں ہو سکتی۔ اصلاح تو وہاں ہوتی ہے، جہاں سسٹم اور نظام درست ہو۔ عدالت، بازار، سیاست اور نظام درست کام کر رہے ہوں۔ بس چند افراد ایسے ہوں، جو غلط کام کر رہے ہیں تو ان کو وعظ و نصیحت کی جائے گی تاکہ وہ اس غلط عمل سے رُک جائیں۔ لیکن بدقسمتی یہ کہ ہمیں ان علما کا تعارف کروایا جاتا ہے جو کہ ہمارے غلبے کے دور میں ہیں، کہ انھوں نے اصلاح کے لیے وعظ کیا۔ مدرسہ بنایا۔ غلبے کے زمانے میں ان کا عمل بالکل درست ہے، لیکن آج زوال کے دور میں جہاں عدالت ظالم کے حق میں فیصلے کرتی ہے۔ معیشت طبقات کی ہے۔ سیاست ظالمانہ ہے۔ نظام، انسانیت دشمنی کا ہے تو ایسے میں ہم کہیں کہ ہم محض وعظ اور تقریر سے اپنی اصلاح کر لیں گے، یہ ممکن نہیں ہے۔ یہ اصلاح کا کام 60 سال سے ہو رہا ہے۔ وعظ کہنے والے، تقریر کرنے والے تو بہت ہیں، لیکن نتیجہ وہی ہے کہ ظلم، بداَخلاقی اور استحصال بڑھ رہا ہے۔

یاد رکھیں! کہ زوال کے دور میں حضورؐ، صحابہ کرامؓ اور قرآن حکیم کے انقلابی نظریے کو زندہ کرنے اور اس پر عمل کر کے اپنے آپ کو آگے بڑھانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ انقلاب کے نظریے پر کام کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ قرآن حکیم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی انقلابی جدو جہد کا تذکرہ کس بہترین انداز میں فرمایا کہ فرعونی حکومت نے بنی اسرائیل کو غلام بنایا ہوا ہے۔ ان کا استحصال کرتے ہیں۔ ان کے بچوں کو قتل کرتے ہیں۔ تو ایسے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس جا کر وعظ کریں گے۔ اس کو تقریر کریں گے۔ نہیں! بلکہ موسیٰ علیہ السلام نے جا کر کہا کہ: فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۙ۵ بنی اسرائیل کو آزاد کر دو۔ (بقیہ ص نمبر 6 پر)

دارالعلوم دیوبند کا انقلابی کردار

مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی مدیر ماہنامہ ''دارالعلوم'' دیوبند

عوام جب ''دارالعلوم دیوبند'' کا لفظ بولتے ہیں تو اس سے ان کی مراد قصبہ دیوبند، ضلع سہارن پور میں واقع وہ مدرسہ اسلامیہ ہوتا ہے، جسے اب ''دارالعلوم دیوبند'' کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے۔ لیکن برصغیر کی دینی، علمی، سماجی اور سیاسی تاریخ سے واقف اصحابِ علم و خبر جب دارالعلوم دیوبند کا نام لیتے ہیں تو اس سے ان کی مراد دیوبند میں واقع ایک مرکزی تعلیم گاہ ہی نہیں بلکہ ایک عظیم مکتبۂ فکر اور ہمہ گیر انقلابی تحریک ہوتی ہے۔ جس کی داغ بیل مسندِ ہند، فیلسوفِ اسلام، امام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے اٹھارویں صدی کی ابتدا میں ڈالی تھی۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ سلطنتِ مغلیہ، جسے بابر کی جفاکشی و سخت کوشی، ہمایوں کی نیک نفسی و عالی ہمتی، اکبر کا گنگا جمنی فکر و سیاسی تدبر، جہاں گیر کا بے لوث عدل و محبت آشنا دل، شاہ جہاں کا لطیف ذوق و درویشانہ مزاج، عالم گیر کی بیدار مغزی و مجاہدانہ کردار نے قیام و استحکام اور عروج و ارتقا بخشا تھا۔ (اپنے زوال کے دور میں) عیش و نشاط، شباب و شراب اور چنگ و رُباب کے سرمست طوفان میں ہچکولے کھا رہی تھی اور درباری اُمرا کی چیرہ دستیوں سے حکومتِ دہلی (بقول امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ) ''لُعبۂ صبیان'' و ''بازیچۂ اطفال'' (بچوں کا کھیل تماشہ) بن گئی تھی۔

ایسے ابتر اور بگڑے حالات میں اصلاحِ احوال کے لیے بانی تحریک حضرت (امام شاہ ولی اللہ) محدث دہلویؒ نے جس انقلابی پروگرام کا خاکہ تیار کیا، اس الہام کا عنوان تھا: ''فک کل نظام'' یعنی ظلم و ناانصافی اور جہالت و ضلالت پر مبنی ہر فکری، اقتصادی، معاشی، سماجی اور سیاسی نظام کو تہس نہس کر کے اس کی جگہ انصاف و قانون اور حق و صداقت کی بنیادوں پر قائم عادلانہ نظام برپا کیا جائے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنی اس انقلابی تحریک کے خدوخال، اصول و ضوابط اور دیگر تفصیلات سے تعلیم و تدریس کے ذریعے اپنے تلامذہ و متوسلین کو روشناس کیا۔ پھر آپ کے جانشینِ صادق و فرزندِ جلیل، سراج الہند، شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے اپنی مؤمنانہ فراست، عالمانہ حکمتِ عملی اور پچاس سال کی پیہم سرگرمیوں سے اس نظری و علمی پروگرام کو حضرت سید شہید بریلویؒ، حضرت مولانا شاہ عبدالحئی بڈھانویؒ، حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ اور ان کے رُفقا کے ذریعے عملی جدوجہد کا جامہ پہنایا۔ اور بالآخر یہ انقلابی تحریک، علمی، عملی، سماجی اور سیاسی تجربہ گاہوں سے ہوتے ہوئے اور جہد و عمل، دعوت و عزیمت، ایثار و قربانی اور ہجرت و جہاد کی بھٹیوں میں کندن بنتے ہوئے ''دارالعلوم دیوبند'' کی شکل اختیار کر گئی۔

بالفاظِ دیگر حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا فکر و نظریہ، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی جامعیت و روحانیت، حضرت سید شہیدؒ کی استقامت و عزیمت، حضرت شاہ عبدالحئی بڈھانوی کی فراست و اعتدال، حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی حمیت و صلابت، حضرت شاہ محمد اسحاقؒ کی پاک نفسی و انکساری، حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ کی للّٰہیت و بے نفسی، حضرت مولانا مملوک علیؒ کی علمی جلالت و شانِ تربیت، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی روحانیت اور آہ نیم شبی، حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی عبقریت و شانِ مجددیت، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی فقاہت و تجرِ علمی اور حضرت مولانا محمد یعقوبؒ نانوتوی کی جذب و فنائیت سے باہم مل کر جو مجموعی پیکر تیار ہوا، علم و تاریخ کی دنیا میں اسی پیکرِ جمیل کا نام ''دارالعلوم دیوبند'' ہے۔ چناں چہ شیخ محمد اکرام، حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی ہمہ گیر خدمات پر تبصرہ کرتے ہوئے آخیر میں لکھتے ہیں:

''جو مذہبی نظام اسلامی ہندوستان میں سب سے زیادہ عام ہے...... جسے شمالی ہندوستان میں شاہ عبدالعزیزؒ، مولانا سید احمد بریلویؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ نے رائج کیا اور جو آج دارالعلوم دیوبند کی بدولت خواص سے گزر کر عوام کو متاثر کر رہا ہے۔ اسے شاہ ولی اللہؒ نے ترتیب دیا اور اگر کسی کو صحیح معنوں میں امام الہند یعنی اسلامی ہندوستان کے خاص مذہبی نظام کا مرتب کہا جا سکتا ہے تو وہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کی ذاتِ بابرکت ہے۔'' (رودِ کوثر، ص586)

مفکر اسلام، امام الہند، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے اس ہمہ گیر اصلاحی و انقلابی نظام کو سینے سے لگائے دارالعلوم دیوبند ماہ و سال کی ایک صدی سے بھی زائد مسافت طے کر چکا ہے۔ اس طویل مدت میں اس کی راہ میں بار ہا رُکاوٹیں حائل ہوئیں اور گونا گوں مشکلات سامنے آئیں۔ مگر اللہ کی مدد و نصرت سے راستے کی ان بندشوں اور مشکلوں کو عبور کرتے ہوئے وہ اپنی منزل کی جانب رواں دواں رہا۔ اور اسلام کی اَبدی صداقتوں کو مسلم معاشرے میں قائم و دائم رکھنے کے لیے اپنی جدوجہد سے کبھی غافل نہیں ہوا۔ اس سلسلے میں اس کی خدمات اور کارناموں کا سلسلہ اس قدر دراز ہے، جس کے بیان کے لیے ایک دفتر چاہیے۔ بایں ہمہ اس دنیا میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنی عظمت و برتری کے اظہار کے لیے یا کسی اور مخفی مقصد کے تحت یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ دارالعلوم دیوبند کی خداداد عظمتوں سے انکار کیا جائے اور جس طرح انھوں نے دارالعلوم دیوبند کے محیر العقول خدمات اور کارناموں سے آنکھیں بند کر لی ہیں، اسی طرح سے لوگ آنکھیں بند کر لیں۔

بلاشبہ دارالعلوم دیوبند کے مقابلے میں عالی شان، جدید طرزِ تعمیر کی عمارتیں تعمیر کی جا سکتی ہیں۔ تعلیم و تدریس کے نام پر پڑھنے پڑھانے والوں کی بھیڑ بھی جمع کی جا سکتی ہے۔ جامعہ اور دارالعلوم کے نام سے اس کی پرشور تشہیر بھی کی جا سکتی ہے۔ یہ سب کچھ کیا جا سکتا ہے اور آج کی دنیا میں ہو رہا ہے، لیکن کیا ان جامعات اور تعلیم گاہوں کو دارالعلوم کے مقابلے میں پیش کیا جا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

ذرا سوچیے! جس دارالعلوم کو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ کی اطلاع کے مطابق ظلمت کدۂ ہند میں اسلام کی روشنی کی بقا کے لیے خاصانِ خدا نے دعا و التجا کے ذریعے بارگاہِ خداوندی سے مانگ لیا ہے، جس دارالعلوم کو اپنے اپنے وقت کے اولیائے کرام کے مکاشفات و مبشرات کی تائید حاصل ہو، آخر اس دارالعلوم کا مقابلہ ان ظاہر داریوں سے کیوں کر کیا جا سکتا ہے۔

(فتدبر و لاتکن مع الغافلین) (حرفِ آغاز، ماہنامہ دارالعلوم، جون 1999ء)

(بقیہ خطبہ جمعۃ المبارک) اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتے ہیں کہ ہم ان کمزور لوگوں پر احسان کرنا چاہتے ہیں۔ یعنی ہم ان کو حکمران بنائیں گے۔ اور زمین کا وارث بنائیں گے۔ اسی طرح باقی انبیاؑ بھی دنیا میں انقلاب برپا کرنے کے لیے تشریف لائے ہیں۔ تو حضورؐ بھی دنیا میں عادلانہ نظام غالب کرنے کے لیے تشریف لائے ہیں۔

آج ہم نے اس بات کو طے کرنا ہے کہ آج ہماری سیاست، معیشت اور سماجی نظام اگر عدل و انصاف پر قائم ہے۔ اور ہم دنیا کو جنت بنانے کی جدوجہد کر رہے ہیں، پھر تو ٹھیک ہے، لیکن اگر ایسا نہیں اور یقیناً ایسا نہیں۔ بلکہ ہمارا سیاسی نظام ظالمانہ ہے۔ اور معاشی بھوک و افلاس پیدا کرتا ہے۔ عدالتی نظام ظالمانہ فیصلے کرتا ہے۔ غرض ظلم و ناانصافی نے پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے۔ ہمارے سارے حکمران طبقے ان کے غلام ہیں۔ ایک آدھ کو چھوڑ کر ساٹھ مسلمان ممالک کے حکمران عالمی سامراج کے غلام ہیں۔ خلافتِ عثمانیہ، جو ایک ملک کی حیثیت رکھتا تھا، اس کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا۔ دنیا بھر کے مسلمان رمضان المبارک گزارتے ہیں۔ تراویح میں قرآن حکیم پڑھتے ہیں۔ لیکن ان تمام اعمال کا نتیجہ ظاہر نہیں ہوتا۔ عجیب بات ہے کہ جی ایٹ (G-8) ممالک کے آٹھ ظالم حکمران جمع ہو کر پوری دنیا پر اثر ڈالتے ہیں، لیکن مسلمان لاکھوں کے اعتبار سے بیت اللہ میں جمع ہوتے ہیں، لیکن کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا۔ کیوں کہ مسلمان کی سوچ انقلابی نہیں رہی۔ اس لیے آج ضرورت ہے کہ دین کی درست سوچ اختیار کر کے رمضان کے مقاصد اور اہداف کو سامنے رکھ کر گزاریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں رمضان المبارک کے مقاصد حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

عیدالاضحیٰ کے احکام ومسائل

از مفتی عبدالغنی قاسمی

مسئلہ نمبر۱: ذی الحجہ کی دسویں تاریخ عیدالاضحیٰ ہے۔اس دن ہر اس مسلمان پر دو رکعت نماز باجماعت بطور شکریہ کے پڑھنا واجب ہے، جس پر جمعۃ المبارک کی نماز پڑھنا واجب ہے۔

مسئلہ نمبر۲: عیدالاضحیٰ کے دن درجِ ذیل چیزیں مسنون اور مستحب ہیں:

۱۔ صبح کو بہت سویرے اٹھنا۔

۲۔ شریعت کے مطابق اپنی آرائش کرنا۔

۳۔ غسل کرنا۔

۴۔ مسواک کرنا۔

۵۔ عمدہ کپڑے جو پاس موجود ہوں پہننا۔

۶۔ خوشبو لگانا۔

۷۔ عید کی نماز سے پہلے کوئی چیز نہ کھانا۔

۸۔ عیدگاہ میں عید کی نماز پڑھنا۔

۹۔ عیدگاہ صبح سویرے جانا۔

۱۰۔ عیدالاضحیٰ کی نماز اول وقت پڑھنا۔

۱۱۔ عیدگاہ جاتے ہوئے بلند آواز سے تکبیر تشریق یعنی "اَللّٰہُ اَکْبَر ،اَللّٰہُ اَکْبَر ،لَااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ، وَاللّٰہُ اَکْبَر ،اَللّٰہُ اَکْبَر ، وَلِلّٰہِ الْحَمْد" کہنا۔اور پیدل عیدگاہ جانا۔

۱۲۔ عیدگاہ جس راستے سے جائے دوسرے راستے سے واپس گھر آنا۔

مسئلہ نمبر۳: جہاں نمازِ عید پڑھی جائے وہاں اس دن اور کوئی نماز پڑھنا مکروہ ہے، نماز سے پہلے بھی اور نماز کے بعد بھی ، ہاں گھر آ کر نمازِ عید کے بعد پڑھنا مکروہ نہیں اور نمازِ عید سے پہلے گھر میں بھی نفل پڑھنا مکروہ ہے۔

مسئلہ نمبر۴: عورتیں اور جو لوگ کسی وجہ سے نمازِ عید نہ پڑھیں ان کا نمازِ عید سے پہلے کوئی نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

مسئلہ نمبر۵: ایک شہر میں عیدین کی نماز بالاتفاق متعدد جگہوں میں جائز ہے۔

طریقہ نمازِ عیدالاضحیٰ: سب سے پہلے نیت کرے کہ دو (۲) رکعت واجب نمازِ عیدالاضحیٰ چھ واجب تکبیروں کے ساتھ ادا کرنے کا ارادہ کرتا ہوں ۔ پہلی رکعت اس طرح ادا کی جائے گی: تکبیر تحریمہ کہہ کر ہاتھ باندھ لے ۔امام ومقتدی سبحانک اللھم آخر تک پڑھیں ۔اس کے بعد امام تین مرتبہ اللہ اکبر کہہ کر دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھائے اور ہاتھ چھوڑ دے، آخری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ لے ۔مقتدی بھی اس کی اقتداء کریں، اس طرح تین تکبیرات ادا کی جائیں گی ۔ ہر دو (۲) تکبیروں کے درمیان اتنا وقفہ ضروری ہے کہ تین (۳) مرتبہ سبحان اللہ کہہ لے اس کے بعد دیگر نمازوں کی طرح قرأت فاتحہ وسورت اور رکوع وسجود کیے جائیں ۔دوسری رکعت میں امام پہلے قرأت کرے گا اس کے بعد پہلی رکعت کی طرح تین (۳) تکبیرات زائدہ ادا کی جائیں اور ہر دفعہ کانوں تک ہاتھ اٹھا کر چھوڑ دیئے جائیں، آخری تکبیر کے بعد ہاتھ چھوڑے ہوئے رکوع کی تکبیر کہہ کر رکوع میں جائیں اور سجود کے بعد حسبِ معمول تشہد پڑھ کر نماز مکمل کرے ۔اگر کسی کو عید کی نماز نہ ملی ہو اور سب لوگ پڑھ چکے ہوں تو وہ شخص تنہا نمازِ عید نہیں پڑھ سکتا۔اس لیے کہ نمازِ عید میں جماعت شرط ہے اس طرح اگر کوئی شخص نمازِ عید میں شریک ہو اور کسی وجہ سے اس کی نماز فاسد ہوگئی ہو تو وہ بھی اس کی قضاء نہیں پڑھ سکتا، نہ اس پر قضاء واجب ہے۔البتہ اگر فاسد ہونے والی نماز میں کچھ اور لوگ بھی شریک ہیں تو پھر پڑھنا واجب ہے۔

خطبہ عیدالاضحیٰ کے احکام: نمازِ عیدالاضحیٰ کے بعد امام دو (۲) خطبے پڑھے گا۔خطبہ پڑھنا سنت ہے۔ اور خطبہ سننا واجب ہے۔یعنی اس وقت بولنا، چلنا، پھرنا، اور نماز پڑھنا وغیرہ سب ناجائز ہے۔

تکبیراتِ تشریق کے احکام: عرفہ یعنی نو (۹) ذی الحجہ سے تیرہ (۱۳) ذی الحجہ تک پانچ (۵) دن ایام تشریق کہلاتے ہیں ۔ان ایام میں باجماعت ادا کی جانے والی ہر فرض نماز کے بعد بلند آواز سے ایک مرتبہ تکبیر تشریق یعنی:"اَللّٰہُ اَکْبَر ،اَللّٰہُ اَکْبَر ،لَااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ، وَاللّٰہُ اَکْبَر ،اَللّٰہُ اَکْبَر ، وَلِلّٰہِ الْحَمْد" کہنا واجب ہے۔ البتہ عورتیں یہ تکبیر آہستہ آواز سے پڑھیں ۔نو (۹) ذی الحجہ نمازِ فجر سے لے کر تیرہ (۱۳) ذی الحجہ کی نمازِ عصر تک ہر فرض نماز کے بعد یہ تکبیرات کہی جائیں گی ۔ یہ کل تیئس نمازیں ہوئیں۔نماز کے فوراً بعد یہ تکبیرات کہنا چاہیے۔اگر امام تکبیر کہنا بھول جائے تو مقتدیوں کو چاہیے کہ فوراً تکبیر کہہ دیں۔یہ انتظار نہ کریں کہ جب امام کہے تب کہیں ۔نمازِ عیدالاضحیٰ کے لیے گھر سے نکلیں تو راستہ میں بلند آواز سے تکبیر تشریق کہنا چاہیے۔نمازِ عیدالاضحیٰ کے بعد بھی تکبیر کہنا بعض آئمہ کے نزدیک واجب ہے۔

رفتارِ کار

رمضان المبارک 1431ھ کا روحانی تربیتی
اجتماع

عتیق الرحمٰن ایڈووکیٹ

گزشتہ سالوں کے معمول کے مطابق خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے مسند نشین حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ کی معیت میں خانقاہ کے متوسلین اور متعلقین نے پورا ماہِ رمضان المبارک 1431ھ (12 اگست تا 10 ستمبر 2009ء) ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ میں قیام کیا۔ یوں پورا ماہِ رمضان المبارک ادارہ میں روحانی تربیتی اجتماع کا ماحول قائم رہا۔شعبان کی آخری تاریخوں میں پورا ماہ قیام کرنے والے متوسلین خانقاہِ رائے پور ادارہ رحیمیہ میں آنا شروع ہوگئے تھے۔اور پھر روزانہ دور دراز سے اور بڑی کثرت سے احباب اور متعلقین خانقاہِ رائے پور حضرت کی معیت اور رمضان المبارک کی مبارک ساعتوں میں یکسوئی کے ساتھ وقت گزارنے کے لئے تشریف لاتے رہے۔اس طرح پورا مہینہ روحانی اور تربیتی سرگرمی کا ایک ماحول قائم رہا، آنے والے احباب کی خدمت کے لئے ادارہ کی جانب سے مجلس استقبالیہ اور انتظامیہ ترتیب دی گئی، جنھوں نے بڑی جدوجہد اور محنت سے دور دراز سے آنے والے احباب کی خدمت کی۔

تربیتی پروگراموں میں صبح نمازِ فجر کے بعد روزانہ درسِ حدیث کا سلسلہ جاری رہا، جس میں ملک بھر سے آنے والے علمائے کرام اور فضلائے عظام درسِ حدیث دیتے رہے۔صبح 09:30 بجے قرآن حکیم کی تفسیر بیان ہوتی رہی۔اور حضرت مولانا مفتی عبدالغنی قاسمی صاحب قرآن حکیم کا ترجمہ، تفسیر اور اس کے علوم ومعارف بیان کرتے رہے۔ 12:00 بجے دن سے دینی موضوعات پر ممتاز دانشور اور علمائے کرام لیکچرز دیتے رہے۔اور اس کے بعد شرکائے اجتماع باہمی مذاکرہ اور گروپ ڈسکشن کے ذریعہ علمائے کرام کی بیان کی ہوئی باتوں کو سمجھنے میں مصروف رہے۔اور پھر سوال وجواب کی نشست کے ذریعہ شرکا کے ذہن میں پیدا ہونے والے سوالات کے جوابات دیئے جاتے رہے۔ظہر کی نماز کے بعد شرعی احکام اور دینی مسائل پر ایک نشست منعقد ہوتی رہی۔جس میں حضرت مولانا مفتی عبدالقدیر صاحب پیش آمدہ دینی سوالات کے جوابات دیتے رہے، اس طرح شرعی احکام کی اہمیت اور دینی مسائل سے شرکاء کو واقفیت ہوتی رہی، اور اس سے انہیں بہت فائدہ پہنچا۔

نمازِ عصر کے بعد روزانہ حضرت اقدس رائے پوری مدظلہ العالی کی معیت میں مجلس ذکر کا اہتمام ہوتا رہا۔ جس میں افطار سے پہلے تک احباب معمولاتِ مشائخ رائے پور کے مطابق ذکر وشغل میں مصروف رہے۔اور پھر تمام احباب حضرت اقدس کی معیت میں آبِ زم زم اور کھجور سے روزہ افطار کرتے رہے۔خانقاہِ رائے پور کے متوسلین، خاص طور پر رمضان المبارک کے تربیتی اجتماع کے لئے آبِ زم زم حرم شریف مکۃ المکرّمہ سے لاتے رہتے ہیں۔ اسی طرح روزانہ عشاء اور تراویح کی نماز کے بعد تلاوت ہوئے پارہ کے مضامین کا خلاصہ شیخ التفسیر حضرت مولانا مفتی عبدالخالق آزاد صاحب بیان کرتے رہے۔جس میں شرکائے اجتماع کے علاوہ لاہور شہر سے بھی احباب بڑی دلچسپی سے شرکت کرتے رہے۔اور پھر حضرت گنگوہیؒ کی کتاب "امداد السلوک" کے اہم اقتباسات پڑھ کر سنائے جاتے رہے۔اس سے احباب نے بھرپور فائدہ اُٹھایا۔

29 رمضان المبارک بدھ کی شب کو ادارہ میں تراویح اور نفلوں میں سنائے جانے والے چار قرآن پاک ختم ہوئے، اس موقع پر حضرت اقدس رائے پوری نے بڑی رقت آمیز دعاء فرمائی۔جس میں دور دراز سے آ کر احباب نے شرکت فرمائی۔ دعا کے بعد حضرت اقدس رائے پوری مدظلہ العالی کے مجازین حضرت مولانا محمد مختار حسن، حضرت مولانا مفتی عبدالمتین نعمانی اور حضرت مولانا مفتی سعید الرحمٰن، شیخ التفسیر حضرت مولانا مفتی عبدالخالق آزاد نے قرآن حکیم کی عظمت اور اہمیت پر بیانات ارشاد فرمائے۔اس موقع پر ادارہ کا مسجد ہال اور اِردگرد کے برآمدے حاضرین سے بھرے ہوئے تھے، بیانات کے بعد حضرت اقدس مدظلہ العالی کی دعاء سے یہ تقریب اختتام پذیر ہوئی۔اس کے بعد دور دراز سے اپنی گاڑیوں اور بسوں پر آنے والے احباب مصافحہ کر کے اپنے اپنے شہروں کو رُخصت ہوئے۔رمضان المبارک کی تکمیل پر یکم شوال المکرّم 1431ھ (11 ستمبر 2010) بروز ہفتہ کو نمازِ عیدالفطر کا اہتمام بھی ادارہ رحیمیہ میں کیا گیا۔جس میں لاہور اور گردونواح سے احباب نے شرکت کی۔ صبح 07:45 پر مولانا مفتی عبدالخالق آزاد صاحب نے عیدالفطر کی اہمیت پر خطاب شروع کیا اور 08:30 بجے نمازِ عیدالفطر ادا کی گئی۔(حضرت مفتی صاحب کے اس بیان کی ویڈیو ادارہ کی ویب سائٹ پر دیکھی جاسکتی ہے۔) اس کے بعد حضرت اقدس مدظلہ العالی نے احباب کو عیدالفطر کی مبارک باد دی، اور تمام احباب نے مصافحہ ومعانقہ کیا۔

احکام ومسائل

قربانی

از مفتی عبدالخالق آزاد

مسئلہ نمبر۱: ہرایسے مسلمان عاقل، بالغ مردوعورت پر قربانی کرنا واجب ہے جو عیدالاضحیٰ کے دن مقیم ہواور صاحبِ نصاب اور مالدار ہو یعنی ساڑھے باون تولہ (52-1/2) چاندی یا اس کی قیمت کے برابر ضرورت سے زائد سامان کا مالک ہو۔اس مال کی ملکیت پر سال گزرنا ضروری نہیں۔ بلکہ اگر اس دن بھی اتنے مال کا مالک بنا تو اس پر بھی قربانی واجب ہے۔(شامی ص۳۱۲/۶)

مسئلہ نمبر۲: گھر میں موجود تمام افراد الگ الگ نصاب کے بقدر مالک ہوں تو ہر ایک پر علیحدہ سے قربانی کرنا واجب ہے۔صرف گھر کے سربراہ کی طرف سے قربانی کر دینا سب کے لیے کافی نہ ہوگا۔

مسئلہ نمبر۳: قربانی فقط اپنی طرف سے کرنا واجب ہے۔ بیوی اور اولاد کی طرف سے واجب نہیں۔ بلکہ اگر نابالغ اولاد مالدار بھی ہو تب بھی اس کی طرف سے قربانی کر دی تو نفل ہوگی۔لیکن اس کے مال میں سے قربانی کرنا ہرگز جائز نہیں۔(عالمگیری ص۱۹۹ جلد۶)

مسئلہ نمبر۴: فقیر محتاج اور مسافر پر قربانی کرنا واجب نہیں ہے۔(شرح البدایہ ۴/۴۴۳)

مسئلہ نمبر۵: ایسا قرض دار کہ اس کے پاس موجود مال کے عوض اس کا قرض ادا ہوتا ہو اس پر بھی قربانی واجب نہیں ہے۔لیکن اگر قربانی کرلے تو ہو جائے گی۔

مسئلہ نمبر۶: قربانی کے جانور شرعاً مقرر ہیں ۔ بکرا، بکری ، بھیڑ، دنبہ، گائے ، بیل، بھینس، بھینسا، اونٹ ، اونٹنی صرف ان جانوروں کی قربانی درست ہے اور کسی جانور کی قربانی درست نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر۷: قربانی کے لیے گائے ، بیل، بھینس، بھینسا کی عمر کم از کم دو(۲) سال، اور اونٹ، اونٹنی کی عمر کم از کم پانچ سال اور باقی جانوروں کی عمر کم از کم ایک سال ہونا ضروری ہے۔ہاں اگر بھیڑ یا دُنبہ سال بھر سے کم کا ہو لیکن موٹا تازہ اتنا ہو کہ سال والے جانوروں میں چھوڑ دیا جائے ، تو فرق محسوس نہ ہو، تو اس کی قربانی بھی ہو سکتی ہے۔ بشرطیکہ چھ ماہ سے کم نہ ہو۔

مسئلہ نمبر۷: گائے ، بھینس اور اونٹ میں اگر سات آدمی شریک ہو کر قربانی کرلیں تو بھی درست ہے۔لیکن شرط یہ ہے کہ کسی کا حصہ ساتویں حصہ سے کم نہ ہو اور اس کی نیت قربانی کرنے کی یا عقیقہ کی ہو۔اگر کسی ایک حصہ دار کی نیت صرف گوشت کھانے کی ہو یا تجارت کی ہو، تو کسی کی قربانی درست نہ ہوگی۔

مسئلہ نمبر۹: چھوٹے جانور بھیڑ، بکری وغیرہ میں کئی آدمی شریک نہیں ہو سکتے ۔ بلکہ ایک شخص کی جانب سے ایک ہی جانور ہو سکتا ہے۔

مسئلہ نمبر۱۰: اگر گائے ، بھینس، اونٹ میں سات (۷) آدمیوں سے کم شریک ہوئے ، مثلاً پانچ (۵) آدمی یا چھ(۶) آدمی شریک ہوئے اور کسی کا حصہ ساتویں حصہ سے کم نہیں تب سب کی قربانی درست ہے۔ اور اگر آٹھ (۸) آدمی شریک ہو گئے تو کسی کی قربانی صحیح نہیں ہوئی۔(ایضاً)

مسئلہ نمبر۱۱: اگر کسی آدمی پر قربانی واجب ہے اور اس کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے نے اس کا حصہ گائے وغیرہ میں رکھ دیا تو کسی کی قربانی جائز نہ ہوگی۔البتہ اگر نفلی ہو تو جائز ہوگی۔

مسئلہ نمبر۱۲: سات (۷) آدمی گائے میں شریک ہوئے تو گوشت کے سات (۷) حصے بناتے وقت اندازہ سے تقسیم نہیں کرنا چاہیے بلکہ اچھی طرح ٹھیک تول کر تقسیم کرنا چاہیے۔اگر کوئی حصہ زیادہ یا کم رہا تو سود ہو جائے گا اور گناہ ہوگا۔(شرح التنویر ص۳۱۰ جلد۵)

مسئلہ نمبر۱۳: قربانی کا جانور صحیح اور بغیر عیب کے ہونا چاہیے۔لہٰذا ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں جن میں درجِ ذیل عیب ہوں:

۱۔ اندھا یا کانا ہونا۔

۲۔ بہت بیمار، بہت دُبلا پتلا جس کی ہڈیوں میں گودا نہ رہا ہو۔

۳۔ اتنا لنگڑا کہ صرف تین پاؤں پر چلتا ہو، چوتھے پاؤں سے چل نہ سکتا ہو۔

۴۔ تمام یا اکثر دانت گر گئے ہوں یا سرے سے دانت ہی نہ ہوں۔

۵۔ پیدائشی کان ہی نہ ہوں یا کان تو ہوں لیکن اکثر حصہ کٹا ہوا ہو۔(البتہ وہ جانور جس کے کان تو ہیں لیکن بالکل ذرا ذرا سے چھوٹے ہیں تو اس کی قربانی جائز ہے)۔

۶۔ مادہ جانور کے تھن بالکل نہ ہوں یا دوائی وغیرہ لگا کر خشک کر دیئے گئے ہوں بھیڑ بکری کا صرف ایک تھن ہو۔گائے ، بھینس اور اونٹنی کے صرف دو(۲) تھن ہوں۔

۷۔ جس جانور کا سینگ جڑ سے اکھڑ گیا ہو۔(البتہ جس جانور کے پیدائشی ہی سینگ نہ تھے یا سینگ تھے اور ان کے خول ٹوٹ گئے تو اس کی قربانی جائز ہے)

مسئلہ نمبر۱۴: ذی الحجہ کی دسویں (۱۰) تاریخ سے لے کر بارہویں (۱۲) تاریخ کی شام (غروب آفتاب) تک قربانی کرنے کا وقت ہے۔جس دن چاہے قربانی کرے لیکن بہترین دن دسویں (۱۰) تاریخ کا دن ہے۔پھر گیارہویں تاریخ اور پھر بارہویں تاریخ ہے۔

مسئلہ نمبر۱۵: نمازِ عیدالاضحیٰ ہونے سے پہلے قربانی کرنا درست نہیں ہے۔جب لوگ نماز پڑھ لیں تب قربانی کرنا چاہیے۔

مسئلہ نمبر۱۶: اپنی قربانی کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا بہتر ہے۔اگر خود ذبح کرنا نہ جانتا ہو تو ذبح کے وقت سامنے کھڑا ہونا بہتر ہے۔اگر خود ذبح نہ کرے یا ذبح کے وقت سامنے نہ کھڑا ہو تو قربانی کی ادائیگی میں کوئی کمی نہ ہوگی۔

مسئلہ نمبر۱۷: قربانی کا گوشت خود کھائے ، اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کرے ۔فقیروں اور محتاجوں کو خیرات کر دے سب جائز ہے۔بہتر یہ ہے کہ کم از کم ایک تہائی حصہ خیرات کرے۔

مسئلہ نمبر۱۸: قربانی کا گوشت غیر مسلموں کو دینا بھی جائز ہے۔

مسئلہ نمبر۱۹: جس نے قربانی کرنے کی نذر مانی پھر وہ کام ہو گیا جس کی نذر مانی تھی تو اب قربانی کرنا واجب ہے۔چاہے مالدار ہو یا نہ ہو۔اور نذر کی قربانی کا سارا گوشت فقیروں اور محتاجوں میں تقسیم کرنا ضروری ہے، نہ خود کھائے نہ امیروں کو دے۔

مسئلہ نمبر۲۰: قربانی کی کھال یا اس کی قیمت یا گوشت چربی / چھیچھڑے وغیرہ قصاب کو ذبح کے عوض دینا جائز نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر۲۱: قربانی کی کھال، جانور کے گلے کی رسی وغیرہ سب چیزیں اللہ کے راستے میں خیرات کرنا چاہیے۔ اگر یہ چیزیں فروخت کر دیں تو ان کی قیمت خیرات کرنا لازم ہے۔البتہ قربانی کی کھال اگر خود استعمال کرے، مثلاً جائے نماز بنالے تو جائز ہے۔

مسئلہ نمبر۲۲: قربانی کرنے والے کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ یکم ذی الحجہ سے لے کر قربانی سے فارغ ہونے تک حجامت نہ بنوائے تاکہ حاجیوں سے مشابہت ہو جائے۔

ادارہ رحیمیہ میں اجتماعی قربانی کا انتظام

گزشتہ سالوں کی طرح اس سال بھی ادارہ میں اجتماعی قربانی کا انتظام کیا گیا ہے، جو احباب اپنے یا اپنے دوستوں اور احباب کے قربانی میں حصص رکھنا چاہیں، وہ ادارہ کے دفتر سے رابطہ کر کے اپنا نام درج کروالیں۔گائے میں قربانی کا ایک حصہ تقریباً مبلغ =/5000 روپے کا ہوگا۔

قربانی کے موقع پر ادارہ کا تعاون کریں

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور سے وابستہ احباب اور معاونین ملک بھر میں ادارہ کے لئے قربانی کی کھالیں جمع کرتے ہیں، متعلقین اور متوسلین اور دیگر تمام احباب سے درخواست کی جاتی ہے کہ اس سلسلہ میں چرمہائے قربانی اکٹھا کرنے کے لئے ملک بھر میں ادارہ کے قائم کردہ مراکز میں کارکنان اور معاونین رحیمیہ سے بھرپور تعاون فرمائیں۔

نام معاون ادارہ رحیمیہ:...

ایڈریس اور رابطہ نمبر:...

مدیر اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع وناشر نے اے۔جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ، لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ ''رحیمیہ'' رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ، لاہور سے شائع کیا۔